حویلی کا راز

حصہ دوم

قرآنی نظام ربوبیت کا راستہ روکنے کیلیے عالمی استعمار کے طویل ترین ''جہاد'' کی داستان

ALQURANIC POWER

فہرست مضامین

حصہ اول: برطانیہ دینی مدارس سے متنفر نہیں: برطانیہ

حصہ دوم: قدیم سامراج (فارس) نے ہماری علمی میراث میں ملاوٹ کا جو بیج بویا تھا، جدید سامراج آج اس کی فصل کاٹ رہا ہے۔

حصہ سوم: دینی مدارس کا تعلیمی نصاب

حصہ چہارم: فقہِ حنفی میں بادشاہ پرستی کی تعلیم

حصہ پنجم: قیامِ پاکستان میں برطانوی استعمار کے مفادات

حصہ ششم: امریکہ و برطانیہ کی نوزائیدہ پاکستان کا ممکنہ معاشی نظام جاننے میں دلچسپی اور پاکستانیوں کی جانب سے پیش کردہ ''وضاحت''

حصہ ہفتم: سلطنتِ فارس کی یزدگردی دانش گاہ اور آج کے جدید سامراج کی قائم کردہ جنگل کی حویلی کو ملانے والی کچھ کڑیاں

حصہ ہشتم: ہندوستان میں نانوتوی۔۔۔پاکستان میں مفتی شفیع

REFERENCES

حصہ اول: برطانیہ دینی مدارس سے متنفر نہیں: برطانیہ

خبر ہے روزنامہ جنگ کراچی مورخہ 31 مارچ 2006ء بروز جمعہ کی۔ اس مختصر سی رپورٹ کا ٹائٹل ہے:

''برطانیہ دینی مدارس سے متنفر نہیں'': برطانیہ۔

اس سرخی سے اگلی سطر ہے ''لیکن ہماری خواہش ہے کہ کوئی مدرسہ دہشت گردی کا مرکز نہ بنے''۔ اس سے اگلی سرخی ہے ''پاکستانی دینی مدارس کے وفد کی برطانوی وزارتِ خارجہ کے افسران سے ملاقات''۔

رپورٹ کی ابتدائی چند سطور یوں ہیں:

''گزشتہ دنوں پاکستان کے وفاق المدارس کے رہنماؤں نے برطانوی وزارتِ خارجہ کی خصوصی دعوت پر انگلینڈ کا دورہ کیا جس میں دیوبندی مکتبہ فکر کے وفاق کے صدر مولانا سلیم اللہ خان اور جنرل سیکرٹری مولانا حنیف جالندھری، بریلوی مکتبہ فکر سے مولانا مفتی منیب الرحمٰن اور جماعت اسلامی سے ڈاکٹر عطاء الرحمٰن کے علاوہ اہل حدیث اور شیعہ مکتبہِ فکر سے تعلق رکھنے والے مدارس کے ذمہ داران بھی شامل تھے۔

آگے مضمون میں ہے کہ برطانیہ کی وزارتِ خارجہ نے پاکستانی وفد کے سامنے اپنے مقاصد اور اہداف کا کھل کر اظہار کیا اور واضح کیا کہ نہ ہی برطانیہ دینی مدارس سے متنفر ہے اور نہ ہی وہ یہ چاہتا ہے کہ یہ مدارس بند کر دئے جائیں۔

محترم قارئین۔۔۔۔ کچھ محسوس کیا آپ نے یا نہیں؟ ہماری مذہبی تعلیم کے جملہ مکاتبِ فکر جو یہاں آپس میں دست وگریباں رہتے ہیں، وہ نہایت ہی ہم آہنگی سے باوضوو باجماعت دعوتِ فرنگ کو لبیک کہہ کر مشرف بہ انگلینڈ ہونے چلے گئے۔ دراصل اعتراض ان کے جانے پر کرنا تو فی نفسہِ بنیادی طور پر قابلِ اعتراض نہ بھی سمجھا

جائے۔ کیونکہ یہ برطانیہ آتے جاتے رہتے ہیں۔

لیکن اصل نکتہ جو قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ جانے کا جواز تو جب ہو جب وہاں کی وزارتِ تعلیم انہیں مدعو کرتی یا کسی اور دینی ادارے کی جانب سے مدعو کیا جاتا۔ اور تعلیم و تدریس ہی کے نظریات پر گفتگو مطلوب ہوتی۔ لیکن انہیں دعوت دی کس نے؟ برطانیہ کے محکمۂ تعلیم نے نہیں، بلکہ ان کی وزارتِ خارجہ نے۔

صاف ظاہر ہے کہ ان کی یہ دعوت ان کے امورِ سیاست سے متعلق تھی۔ برطانیہ کو پاکستان کے دینی مدارس کے نصاب سے تو کوئی گلہ شکوہ ہی نہیں تھا۔

بات دراصل یوں ہوئی کہ برطانیہ نے عالمی سامراج امریکہ کو کمیونزم کا خاتمہ کرتے ہوئے نیو ورلڈ آرڈر جاری کرنے کی پوزیشن دلانے کے لیے انہی مہمان علماء کرام کے مدارس کے طلبا کو برطانیہ اور دنیا کے کچھ اور مخصوص ممالک میں گوریلا فوجی ٹریننگ دے کر انہیں سوویت یونین کی افواج سے لڑوایا اور افغانستان سے انہیں مار بھگایا اور یوں کمیونزم کے کعبہ ماسکو کو بھی مسمار کیا۔ تو اس فتح کے بعد امریکی استعمار کے سامنے ایک بڑا مسئلہ یہ ابھر کر سامنے آیا کہ روسی افواج تو پسپا ہو گئیں اور ان سے لڑنے والے گوریلے افغانستان اور پاکستان کے قبائلی علاقوں میں رہ گئے تو اس دوران پاکستانی مدرسوں کے طالب علموں کے کچھ عرب اور غیر ملکی گوریلوں سے تعلقات استوار ہو گئے تھے۔ ان عرب گوریلوں میں اسرائیل کے خلاف نفرت تھی، اس لیے پاکستانی گوریلوں کے ان عربوں سے تعلقات پر برطانیہ کو شک گزرا کہ وہ عرب گوریلے اب کہیں 77 برس پرانی دوستی کے ناطے ان پاکستانی گوریلوں کو اسرائیل دشمنی اور عالمی استعمار کی سرپرست یہودیت سے ٹکرانے کے لیے کہیں اپنے ساتھ ملا کر کوئی نئی تحریک شروع نہ کر لیں۔

کچھ اسی قسم کے خدشات امریکی حکومت کے نمائندگان نے سابق صدر پرویز مشرف کے سامنے رکھے تھے تو اس نے فی الفور آرڈر جاری کیا کہ پاکستان کے دینی مدارس سے غیر ملکی طالب علم فوری طور پر نکل جائیں۔ اس حکم نامہ

پر مدارسِ عربیہ کے سرپرستوں کو بہت پریشانی ہوئی تو اسی بارے میں ان مدارس کا یہ اعلیٰ سطحی وفد برطانیہ گیا اور برطانوی وزارتِ خارجہ نے ان علماء کے سامنے معذرت خواہانہ وضاحت پیش کی کہ 7 جولائی کے بعد اگر اس طرح کی کوئی سوچ اپنائی گئی ہے تو یہ پاکستانی حکومت کی اپنی سوچ ہے۔ برطانوی حکومت کی خواہش صرف اتنی تھی کہ کوئی مدرسہ دہشت گردی کا مرکز نہ بنے۔

قارئین کرام! اس وفد کے اپنے ''کعبہ'' لندن جانے اور انہی کے ایک سیاسی محکمہِ خارجہ کی جانب سے دعوت دئے جانے، اور پھر انکے درمیان بات چیت کا انداز ایسا کہ (آ ملے ہیں سینہ چاکان چمن سے سینہ خاک) جیسے پرانی یاری دوستی کی تجدید ہو رہی ہو اور کہا جا رہا ہو کہ گلے شکووں پر مٹی پاؤ۔ جو ہو گیا سو ہو گیا۔ آئندہ احتیاط۔ او کے؟

قرآن کہتا ہے کہ ''الکفر ملة واحدة''۔ یہ برادرانہ انداز اور دوستانہ معذرت خواہانہ رویہ کچھ اس لیے بھی تھا کہ برطانیہ کی سیاسی فائلوں میں لکھا ہوا ہے کہ آئندہ ایک سو برس کے اندر اندر دنیا سے اسلام کا خاتمہ کرنا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں مشہور برطانوی جاسوس ہمفر اپنی ڈائری میں لکھتا ہے کہ:

''ہمارے دور اندیش رہنماؤں نے یہ طے کر لیا ہے کہ آئندہ سو دو سو سالوں میں دنیا سے اسلام اور مسلمان دونوں ختم کرنے ہیں۔ اس غرض سے ہم نے دنیا کے کونے کونے میں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے ہیں۔ یہ صرف مقامی لیڈروں میں بہت سے ہمارے زرخرید ہیں، بلکہ ان گنت اسلامی علما و مفتیان ہمارے تنخواہ دار ہیں۔ برطانیہ میں تربیت یافتہ ہر رنگ و نسل کے افراد کو ہم نے مذہب اسلام کی تعلیم دے کر جا بجا اسلامی مساجد میں چھوڑ رکھا ہے (لندن کا خفیہ اسلامی مرکز)۔ ہم نے مسلمانوں سے اسپین کی حکومت واپس چھینی تھی تو شراب اور عورت کے ذریعہ۔ اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے یہ حربہ آئندہ ڈیڑھ سو برس میں استعمال کریں گے۔

اس کے بعد ہمفر جاسوس ایک ہزار صفحات پر مشتمل بڑی میز پر پھیلی ہوئی بڑے صفحات کی ایک کتاب کا ذکر کرتا ہے۔ اس کتاب میں مسلمانوں اور عالم اسلام کی قوت کے راز بھی لکھے ہیں اور ان کی کمزوریاں بھی۔ کمزوریوں کا

ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

1۔فرقہ وارانہ اختلافات

2۔قوم پرستی،عرب ایرانی ترک وغیرہ کی تقسیم

3۔علماء ہرجگہ جاہل ہیں اور صدیوں پرانی فقہ وتفسیر پڑھتے ہیں۔

4۔نہ صرف عوام بلکہ خواص بھی بے ضمیر ہیں۔

5۔دنیا چھوڑکرآخرت بنانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

6۔مسلمان حکمران ظالم ڈکٹیٹر ہیں۔

7۔سڑکیں غیر محفوظ ہیں۔

8۔گھروں،دفتروں عمارتوں میں صفائی نہیں ملتی۔

9۔خود بھی اکثر گندے رہتے ہیں۔

10۔اکثر شہر کھنڈر بن جاتے ہیں لیکن آبادی بہت زیادہ ہوتی ہے۔

11۔بغاوتیں اور شورشیں عام ہیں کیونکہ عدل گم گیا ہے۔

12۔غربت عام ہوتی جارہی ہے۔آرام طلبی بڑھ گئی ہے۔

13۔مسلمانوں کی افواج اور ہتھیار فرسودہ ہیں۔

14۔یہ لوگ اپنی خواتین کا زبردست استحصال کرتے ہیں۔

15۔مسلمان اپنی بے مثال کتاب قرآن کی تعریفیں تو بہت کرتے ہیں،لیکن اسے سمجھتے بالکل بھی نہیں۔اسے پس پشت ڈال کر فقہ کی کتابوں،روایات اور صوفیوں کے ملفوظات میں گھرے ہوئے ہیں۔

آگے ہمفر لکھتا ہے کہ اسلامی نظام کی لاتعداد خوبیوں سے ہم آگاہ ہیں۔لیکن ہماری حکومت اور وزارت خارجہ نے

طے کر رکھا ہے کہ مسلمانوں کو قرآن کے نزدیک بھی نہ پھٹکنے دیا جائے۔

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر ﷺ کہیں
(اقبالؔ)

حصہ دوم: قدیم سامراج (فارس) نے ہماری علمی میراث میں ملاوٹ کا جو بیج بویا تھا، جدید سامراج آج اس کی فصل کاٹ رہا ہے۔

قدیم عالمی استعمار (روم و فارس) نے بھی یہی حکمتِ عملی اپنا رکھی تھی اور انہی کی حکمتِ عملی کو سامنے رکھتے ہوئے جدید سامراج نے دنیا سے قرآنی نظامِ ربوبیت کو چھپائے رکھنے اور مسلمانوں کو جاہل رکھنے کی قدیم سازش کو جاری رکھا۔ اور اب تک صورت حال یہ ہے کہ قدیم سامراج (فارس و یہود) نے ہماری علمی میراث میں ملاوٹ کا جو بیج بویا تھا، آج کا جدید سامراج (امریکہ و برطانیہ) اس کی فصل کاٹ رہا ہے۔
اور یہ امت عالمی سامراج کے تیار کردہ پرانے قرآن مخالف نصابِ تعلیم کو عین اسلام سمجھ کر سینوں سے لگائے بیٹھی ہے۔

پرانے سامراج یعنی اہلِ فارس کے فقہ و حدیث ساز امامی گروہ نے بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں تقیہ کے پردہ میں جملہ قرآن دشمن نظامِ ہائے حیات یعنی سرمایہ داریت اور جاگیرداریت کے جواز کو فقہ اسلامی کا درجہ دلا کر دینی تعلیمی اداروں سے تعلیم القرآن بالقرآن کو نکال باہر کیا اور قرآن کو منسوخ کرنے والے فنون و علوم کو مسلم امت کی نئی نسل کے تعلیمی نصاب میں ہلاکو منگول عیسائیوں کے عہد میں داخل کرتے ہوئے جزوِ نصاب بنا دیا اور وہ جملہ

قرآن دشمن علوم مسلمانوں کے مدارس کا دینی نصاب بن گئے۔اس کے باوجود آج کے دور میں عالمی سامراج اپنی انٹیلی جنس ایجنسیوں کو یہ ہدف کیوں دیتے رہتے ہیں کہ دنیا سے اسلام کو اتنے عرصہ میں ختم کرنا ہے اور اس کی منصوبہ بندی کرو۔اس ہدف کو پورا کرنا ہے۔

تو یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جو سمجھنے کے قابل ہے۔اس مسئلہ کی ساری جڑ ہی یہی ہے کہ عالمی مترفین یعنی یہودیت کی سرمایہ داریت نے جب فارس اور روم کے اپنے قلعے فاروقِ اعظمؓ کی افواج کے ہاتھوں گرتے دیکھے تو انہوں نے قرآن کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کے نام (حدیث) کو استعمال کر کے قرآن مخالف علوم گھڑ تو لیے لیکن سرمایہ دار شاہی کے تھنک ٹینک دانشوروں نے اپنے ان یہودی آقاؤں کو واضح کیا کہ جناب حیلے بہانے تو بڑے کیے گئے، لیکن قرآن دنیا سے ختم نہ ہو سکا۔ ہمارے یہ سب حیلے بہانے قرآن کا مفہوم ہی بدلنے تک محدود رہے۔اصل چیز تو اس کا متن تھی جسے غائب کرنا چاہیے تھا جیسے اس سے پہلے انجیل ،توریت اور دیگر مصاحفِ انبیا ہم ختم کرتے آئے ہیں۔لیکن یہ قرآن ہم سے ختم نہیں ہو سکا۔ یہ تو ہر مسلمان کے بچے بچے کے سینے میں محفوظ ہے۔یہ کام ہم نہیں کر سکتے۔ اگر آپ اپنے حکمرانہ مکاری وسفا کی کے حربوں سے ایسا کر سکتے ہیں تو کر لیں۔ورنہ قرآن تو پھر اب بھی باقی ہے اور یہ مستقبل میں کسی بھی وقت دنیا کو دوبارہ جگا سکتا ہے۔

پس ان لوگوں نے عالمی استعماری قوتوں کو سمجھایا کہ مسلمان قوم کو عقل وفکر سے دور رکھ کر تقلیدی خانقاہی چکروں میں قید رکھنے میں ہی ہمارے مشن کی کامیابی ہے۔ورنہ اگر مستقبل میں یہ لوگ تھوڑا سا بھی قرآن سمجھ کر اس کے حقیقی مفہوم تک پہنچ گئے تو ہماری ماضی کی تمام تر محنت سے تیار شدہ ساری کی ساری عمارت دھڑام سے نیچے آگرے گی۔

بس یہی وجہ ہے کہ عالمی استعمار کو اب تک پریشانی لاحق ہے کہ مستقبل میں دنیا کسی بھی وقت قرآن کو سمجھ سکتی ہے۔اس لیے اگر عالمی سرمایہ داریت برقرار رکھنی ہے تو اس قرآن سے دنیا کو دور رکھنے کے لیے ہمیں مسلسل ایک ٹانگ پر کھڑے رہنا ہوگا۔یعنی ہر وقت ایسے اقدامات کرتے رہنا ہے کہ کوئی بھی قرآن کو سمجھنے کی کوشش نہ

کرے۔ہم دنیا کو براہ راست قرآن سے منع نہیں کر سکتے ،لیکن ہم یہ تو کر سکتے ہیں کہ مکہ و مدینہ اور مصر کی جامع الازہر اور دارالعلوم دیوبند جیسے بڑے عالمی اداروں میں قرآن دشمن درسِ نظامی کے فنون پڑھانے کی ہدایت کریں۔اس کام کے لیے خادم حرمین شریفین آل سعود استعمار کا بہترین مہرہ ثابت ہوسکتی ہے۔انہیں اس بات پر مسلسل مجبور رکھا جارہا ہے کہ سعودیہ پر اگر حکومت کرتے رہنا ہے تو اس قرآن دشمن نصابِ تعلیم اور صحاح ستہ کو مدارس میں رائج کیے رکھو۔اسی وجہ سے اب تک سعودی حکومت قائم ہے کہ وہ یہ عالمی استعماری خدمت سرانجام دیتی چلی آرہی ہے۔جس روز انہوں نے اس یہودی استعماری اطاعت سے منہ موڑا۔اسی روز انکی حکومت اسی طرح ختم کردی جائیگی جیسے سلطنتِ عثمانیہ میں ترکوں سے مکہ و مدینہ چھین لیے گئے تھے۔

عالمی سامراج مسلسل پریشان ہے کہ ان کی سامراجیت اور سرمایہ داریت کو قرآن کے ''لیس للانسان الا ما سعیٰ'' سے خطرہ ہے۔''قل العفو'' کے فلسفہ نے انکی راتوں کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں۔اور وہ اسے روکنے کے لیے مسلسل چاک و چوبند اپنے مشن پر مسلمان مولاناؤں کی مدد سے عمل پیرا ہیں۔

حصہ سوم: دینی مدارس کا تعلیمی نصاب

پاکستان میں قائم دینی مدارس کے نصاب پر ایک بار سابق گورنر پنجاب میاں محمد اظہر نے ایک بہت خوب طنز کی تھی۔انہوں نے ایک تقریب سے خطاب میں فرمایا تھا کہ:

''دینی مدارس میں مولوی پیدا کرنے سے بہتر ہے کہ بچوں کو جیل بھیج دیا جائے۔''

''چندے سے تعلیم حاصل کرنے والوں کی زندگی مسجد اور حجرے تک محدود ہوکر رہ جاتی ہے۔''

''مدارس کے استاد معصوم بچوں کے ہاتھ میں لوٹا پکڑا دیتے ہیں اور اس کی شلوار ٹخنوں سے اوپر کرواکے دوسرے دنیاوی علوم کے دروازے اس پر بند کر دیتے ہیں۔'' (روزنامہ جنگ۔28 اگست 1992ء)

یہ ایک ذمہ دار شخصیت کی سوچ تھی۔ واقعی یہی کچھ ہو رہا ہے۔ یہ نشاندہی کسی کو نصیحت کرنے کی خاطر نہیں، بلکہ دینی مدارس کی ایک ایسی خامی کی جانب اشارہ تھا جسے اگر دور نہ کیا گیا تو زمانہ نہ صرف ایسے مولویوں کو مسترد کر دے گا، بلکہ ان لوگوں کو بھی جو ایسے مولویوں کی تربیت کا شکار ہوئے۔

درس نظامی میں عموماً درج ذیل کورسز پڑھائے جاتے ہیں۔

1۔صرف ونحو 2۔ادب 3۔منطق 4۔فلسفہ 5۔علمِ عروض 6۔فنِ مناظرہ

7۔تفسیر واصولِ تفسیر 8۔حدیث واصولِ حدیث 9فقہ واصولِ فقہ

درس نظامی کے اس کورس میں پرائمری پاس طالبِ علم کو داخل کیا جاتا ہے۔ ان کورسز کی تکمیل کے لیے دس سال کا عرصہ درکار ہے۔ مذکورہ کورسز میں پہلے دو کورسز کا تعلق تو گرامر سے ہے۔ جن کا جاننا کسی بھی زبان کے لیے نہایت ضروری ہے۔ البتہ تیسرے کورس کا تعلق ادب سے ہے جو پرانے دور کے حالات وواقعات جاننے کے لیے اہم ہے۔ لہٰذا یہ تینوں کورسز عمومی افادیت کے لحاظ سے زیادہ قابل اعتراض نہیں۔

جہاں تک کورس نمبر 4,5 اور 6 کا تعلق ہے، ان کا پڑھنا وقت کا ضیاع ہے۔ ان کی نہ تو کوئی علمی افادیت ہے نہ یہ آج کے ترقی یافتہ دور میں کسی بھی طرح عملی طور پر اہم ہیں۔ اگر یہ تینوں کورسز درس نظامی کے سلیبس سے نکال بھی دیے جائیں تو درسِ نظامی کی اصل روح کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور کچھ نئے اور جدید علوم اس میں شامل کیے جاسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر انگریزی، ریاضی، سائنس یا کمپیوٹر سائنس وغیرہ کو انکی جگہ شامل تدریس کر کے پڑھایا جائے تو دینی مدارس کے طلباء بھی دنیا کے ساتھ قدم بہ قدم چلنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایسا کرنا ہماری مذہبی پیشوائیت کے مفاد میں نہیں۔ وہ درسِ نظامی میں ایسی ترامیم نہیں کر سکتے کیونکہ ایسا کرنے سے انہیں جماعت کے لیے پیش امام، نکاح، رسوماتِ مرگ کی ادائیگی اور جنازہ وفاتحہ خوانی وغیرہ کے لیے مولوی کہاں سے ملیں گے؟ مذہبی پیشوائیت کا سارا ادارہ ہی ختم ہو جائیگا۔

قارئین! ترک خلافتِ عثمانیہ ٹوٹنے سے قبل اور یہاں برصغیر میں دینی مدارس کے درسِ نظامی کے نصاب میں فقہ کی کتابوں کے ساتھ حدیث کی کتاب صرف مشکوٰۃ پڑھائی جاتی تھی یا کوئی اور اکادکا کتب یعنی غیر معینہ طور پر ایک دو مزید کتب پڑھادی جاتی تھیں ۔کہیں بلوغ المرام تو کہیں موطا وغیرہ۔بقایا کتابیں سب غیر درسی اور غیر نصابی مطالعہ کے طور پر موجود رہیں۔ان صحاح ستہ نامی کتابوں کو باقاعدہ درسی نصاب میں اہتمام سے پڑھانے کا انتظام سب سے پہلے سلطنتِ برطانیہ نے کروایا تھا۔اس سے پہلے بخاری ومسلم وغیرہ سے محض دوچار احادیث کوئی طالبِ علم کسی استاد کے سامنے صرف روکھی سوکھی عبارت سے پڑھ کراس سے شرفِ تلمذ کی سند لے لیتا تھا۔

قدیم فارسی سامراج کی تیار کردہ ان کتبِ احادیث کوشامل نصاب کرنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ وہ جانتے تھے کہ ان کتبِ روایات میں قرآن دشمنی اور گستاخانہ مصالحہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔اس لیے باقاعدہ تفصیل سے یہ علم نہ پڑھایا جائے۔بس عبارت ہی کو بغیر تشریح کے تبرک کے طور پہ پڑھایا جائے۔

اس سے پہلے سیالکوٹی نصاب ہی تعلیم میں مروج تھا۔جو مغل بادشاہ اورنگزیب کی باقیات ہے۔یہ وہی بادشاہ ہے جس نے اپنی بادشاہت قائم رکھنے کے لیے اپنے باپ کی آنکھیں نکلوادی تھیں، بھائیوں کو قتل کروادیا تھا۔درسِ نظامی کا اصل مقصد ایسے ملا پیدا کرنا تھا جو بادشاہ کے ظلم وجبر اور غلط کاموں کو مذہبی لبادہ اوڑھا کر لوگوں کے سامنے جائز قرار دیں۔بادشاہی احکام کو خدائی احکامات ثابت کریں اور بادشاہ کی ذات کو ظل الٰہی کہہ کر لوگوں کو ان کے آگے ہاتھ باندھے رکھنے اور سر جھکانے پر مجبور کریں۔آج کے زمانہ کے ارتقاء نے ملا سے یہ اختیارات اگرچہ چھین لیے ہیں لیکن قرآن کی غلط تاویلات، روایات کا غلط پرچار اور احادیث کا غلط استعمال کر کے فرقہ بندی کا حق اور مذہب کی آڑ میں انسانوں کے قتل عام کا حق ختم نہیں کیا جاسکا۔

حصہ چہارم: فقہِ حنفی میں شاہ پرستی کی تعلیم

درس نظامی سے بھی سینکڑوں برس قبل ایرانی آئمہ کی جانب منسوب فقہ کی تدوین کا بھی دراصل یہی مقصد ہوتا تھا کہ ملوکیت اور بادشاہت کے مفادات کا تحفظ ممکن بنایا جا سکے۔

قرآن کہتا ہے کہ مسلمانوں پر اپنے امیر المومنین کی اطاعت اس لیے فرض ہے کہ وہ خود کتاب اللہ کا سب سے بڑا متبع ہوتا ہے اور سب سے زیادہ قوانین خداوندی کا پابند۔ اسلامی نظام عدل کی ایک بہترین مثال ہے۔ آسمان کی آنکھ نے ایسے انوکھے نظارے بھی دیکھے ہیں کہ امیر المومنین فاروق اعظمؓ پر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ خود مدعی الیہ کی حیثیت سے عدالت کے کٹہرے میں آ کھڑے ہوتے ہیں۔

لیکن فقہ حنفی چونکہ اس وقت مرتب ہوئی جب ملوکیت کا استبداد پوری طرح سے اسلام کے اجتماعی نظام میں اپنی جڑیں پھیلا چکا تھا (فقہ حنفی ابوحنیفہ کے بعد مرتب ہوئی تھی۔ اس میں اکثر مقامات پر امام اعظم کے اقوال کو چھوڑ کر صاحبین کے اقوال پر ہی فتاویٰ دئے گئے ہیں)۔ اس لیے اس فقہ میں مسلمانوں کے بادشاہ کے ساتھ خصوصی مراعات روا رکھی گئی ہیں جنہیں انگریزوں کے تصور ''بادشاہ کے آسمانی حقوق'' کا چربہ کہنا چاہیے۔

چنانچہ فقہِ حنفی کی جو کتاب آپ دیکھیں گے، اس میں یہ عجیب قانون ملے گا کہ مسلمانوں کا بادشاہ چوری کا مرتکب ہو یا زنا کا، اس پر کوئی حد نہیں۔ صرف قصاص کے معاملہ میں اس پر حد ہے۔

''مسلمانوں کا بادشاہ جو کام بھی کرے، اس پر کوئی نہیں، سوائے قصاص کے'' (ھدایہ اولین۔ کتاب الحدود۔ باب الوطی، الذی یوجب الحد و الذی لا یوجبہ)

خیر۔ بات ہو رہی تھی سوویت یونین کے خلاف افغان جہاد میں امریکہ کی جانب سے کمیونزم کے خاتمے کے لیے مذہبی پیشوائیت کے استعمال کی۔ تو ان علما کرام کو امریکہ بہادر کی جانب سے اس خدمت پر ڈالروں میں تول دیا گیا۔ پاکستانی اکابرین علما کرام اور مفتیان کو سوویت یونین کے خاتمہ کی جنگ میں اپنے اپنے مدارس کے طلباء کو ''جہاد'' پر بھیجنے اور روس کو کافر، مرتد، دہریہ وغیرہ قرار دینے کی تعلیم پر مشتمل واعظ، لیکچروں، فتاویٰ اور تحریروں کا

معاوضہ امریکی ڈالرز کی شکل میں ملتا تھا۔ اور وہ ڈالرز امریکہ سے کارٹنوں میں بھر بھر کر یہاں آتے تھے۔ کئی بار تو ڈالرز اتنے زیادہ ہو جاتے تھے کہ پاکستانی بینکوں میں اس ایکسچینج کے لیے اتنی مقامی کرنسی ہی موجود نہ ہوتی تھی۔ یہ بات کوئٹہ میں رہائش پذیر بہت سے ایسے لوگ آج بھی جانتے ہیں جن کی ڈیوٹی ان افغان "جہاد" کے سرغنوں (علما کرام) میں ایسے کارٹن پہنچانے اور تقسیم کرنے کی ہوتی تھی۔

حصہ پنجم: قیامِ پاکستان میں برطانوی استعمار کے مفادات

جناب روئیداد خان (سابق سیکرٹری وزارتِ داخلہ اسلام آباد) اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں کہ برطانوی عالمی سامراج نے مسلمانوں کو جدا ملک پاکستان کے نام سے اس لیے بنا کر دیا تھا کہ ان کے ذریعہ سے کمیونزم کو دنیا سے ختم کیا جائیگا۔ کیونکہ قرآن کا معاشی نظام اور کمیونزم کے اجتماعی نظامِ معیشت میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے، اس لیے ان دونوں کو آپس میں لڑا کر مطلوبہ نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

پس اس کام کے لیے عالمی استعمار نے اپنے پرانے ساتھی یعنی مذہبی پیشوائیت کو ساتھ ملایا تاکہ ان کے ذریعہ سوویت یونین کا خاتمہ کیا جا سکے۔ ثبوت ملاحظہ کیجیے:

اندازاً 1945ء میں مودودی صاحب نے کراچی کے گھکھڑی گراؤنڈ کے جلسہ میں تقریر کے دوران امریکہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

"آپ عیسائی اور ہم مسلمان اہلِ کتاب ہونے میں برابر ہیں۔ آپ بھی خدا کو مانتے ہیں اور ہم بھی مانتے ہیں۔ پس آؤ مل کر دنیا سے کمیونزم کا خاتمہ کریں۔ اس لیے کہ وہ خدا کا منکر ہے۔ اس لیے وہ آپ کا اور ہمارا مشترکہ دشمن ہوا۔

پھر افغان جنگ میں دنیا نے امریکہ اور پاکستانی مذہبی جماعتوں کی اس دوستی کا عملی نظارہ خوب دیکھا۔ وہی قدیم

شیطانی مثلث یعنی ملوکیت ،سرمایہ داریت اور مذہبی پیشوائیت ۔

کراچی کے ایک فائیو سٹار ہوٹل میں ممتاز بھٹو صاحب نے یو این اے کی جانب ایک جلسہ منعقد کروایا۔ جس میں سندھ کے مشہور اسلامی محقق جناب عزیز اللہ بوہیو صاحب نے اپنی تقریر میں جی ایم سید کی ایک روایت بیان کی کہ انہوں نے لکھا ہے کہ برطانیہ کا وزیر اعظم چرچل قاہرہ آیا۔ ادھر ہٹلر کی افواج کا برطانیہ کے محاذوں پر بہت دباؤ تھا۔ چرچل نے وزیر اعظم پنجاب سردار سر سکندر حیات کو پیغام دیا کہ آپ میرے ساتھ قاہرہ میں آ کر ملیں ۔ تو وہ گئے اور ان کی واپسی کراچی بندرگاہ پہ ہوئی ۔ عزیز اللہ بوہیو صاحب نے شیخ عبدالمجید سندھی سے کہا کہ چلیں سکندر حیات سے ملیں اور اس سے معلوم کریں کہ آپ کو چرچل نے کیوں بلایا تھا؟ سو ہم جا کر سکندر حیات سے ملے اور چرچل کی ملاقات کے حوالہ سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ چرچل نے انہیں کہا کہ آپ مسلمان ہمارے بڑے اچھے دوست ہیں، خیر خواہ اور وفادار ہیں ۔ ہندو بڑے دھوکے باز اور ہمارے دشمن ہیں (1857ء کی جنگِ آزادی کے وقت تو آپ اس کے برعکس سوچتے تھے۔ مسلمان غدار اور ہندو وفادار) ۔ ہم نے اب ہندوستان چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے اور ہم اب چاہتے ہیں کہ اپنے دوست مسلمانوں کے لیے جدا ریاست اور مملکت قائم کر کے جائیں، اور مزید یہ کہا کہ پنجاب کی افواج یہاں محاذوں پر ہٹلر کی جرمن افواج سے نبرد آزما ہیں ۔ ان میں کوئی جوشیلی تقریر کرو تو ہم فتح یاب ہو جائیں گے۔

اسی جلسہ میں عزیز اللہ بوہیو صاحب کے بعد عابدہ حسین (بیگم فخر امام) کی تقریر کی باری آئی تو انہوں نے بوہیو صاحب کی تقریر کا حوالہ دے کر کہا کہ یہاں جو بات کی گئی ہے، وہ بالکل درست ہے۔

کتاب ''آوازِ دوست'' کے فاضل مصنف مختار مسعود سابق سیکرٹری سنٹرل گورنمنٹ پاکستان اور سابق پرنسپل سٹاف کالج لاہور نے اپنی کتاب (راجہ محمود آباد صاحب جو مسلم لیگ کے بڑے ڈونر اور جناح صاحب کے دوست تھے، مسلم لیگ پر بڑی رقم خرچ کی اور ملک بننے کے بعد یہاں آ کر رہنے کی بجائے برطانیہ میں جا کر رہے اور وہیں

وفات پائی) میں ان کا انٹرویو لیا ہے اور سوال کیا کہ آپ کا بڑا کمال ہے جو آپ نے 1946ء کے انتخابات میں کانگریس جیسی بڑی اور منظم جماعت کو شکست دلا کر بالآخر مسلم لیگ کو جتوایا اور پاکستان بنانے میں کامیاب ہوئے۔ تو راجہ صاحب جواب میں بولے کہ اس میں مسلم لیگ یا ہمارا کیا کمال ہے؟ پورا الیکشن انگریز حکومت کے ڈی سی اور ایس پی حضرات نے دھاندلیاں کر کے جیتا ہے ورنہ مسلم لیگ میں اتنا دم کہاں تھا کہ کانگریس جیسی جماعت کو شکست دے سکے۔

یہ باتیں یہاں صرف اس لیے نقل کی جارہی ہیں کہ ہمیں یہ سمجھنے میں مدد مل سکے کہ کیسے ایک جانب ہم مسلمان قرآن کے عظیم نظامِ ربوبیت کے قیام کی خاطر ایک الگ ریاست حاصل کرنے کے لیے کوشاں تھے جہاں اسلام کے عظیم اصولوں کو آزمایا جا سکے، تو دوسری جانب استعماری قوتوں کو بھی اس خطہ میں ایک نظریاتی اسلامی ریاست کی ضرورت تھی تا کہ وہ اسے سوویت کمیونزم کے خاتمے کے لیے استعمال کر سکیں۔ ہم اپنے مفادات کے تحت لڑ رہے تھے اور انگریز اپنے مفادات کے تحت ہماری راہیں ہموار کر رہا تھا۔ حالانکہ ہمارے اور ان کے مفادات میں ایسا ہی تضاد موجود تھا جو روشنی اور تاریکی، دن اور رات اور سیاہ و سفید میں ہوتا ہے۔ لیکن قدرت کیسے انہی کے ہاتھوں پاکستان بننے میں مدد کروا رہی تھی۔ بالکل ایسے ہی جیسے فرعون کے گھر موسیٰ کی پرورش ہوئی اور وہ خود اس نبی کا پالنے والا بنا جس نے بڑا ہو کر اسی کی ملوکیت کا تختہ الٹنا تھا۔

حصہ ششم: امریکہ و برطانیہ کی نوزائیدہ پاکستان کا ممکنہ معاشی نظام جاننے میں دلچسپی اور پاکستانیوں کی جانب سے پیش کردہ "وضاحت"

پاکستان نیا نیا بنا تھا۔ کچھ عرصہ بعد کسی ممبر اسمبلی نے سوال اٹھایا کہ کل ہی کی بات ہے آپ نے زمین و آسمان کے قلابے ملا کر ایک کر دئے تھے کہ پاکستان بنے گا تو اس میں اسلامی نظام لایا جائیگا۔ سو بتائیے کہ آپ نے اس کے

لیے کیا کیا ہے؟

تو ایک پارلیمانی سیکرٹری نے اٹھ کر جواب دیا کہ ہم نے اسلام کے لیے سارے ملک کے ریلوے اسٹیشنوں پر قبلہ کی جانب تیر کے نشان بنوادئے ہیں تاکہ نماز پڑھنے والوں کو قبلہ کے تعین میں سہولت ہو اور دوسرا کام یہ کیا ہے کہ اسٹیشنوں کی ساری لیٹرینوں پر عربی زبان میں ان کے نام ''بیت الخلاء'' لکھوادئے ہیں۔

قارئین یہ گفتگو اسمبلی کے ریکارڈ کی باتیں ہیں جن میں ان کی جانب سے اسلامی نظام کے قیام کی ''عملی صورتیں'' بیان کی جاتی رہی ہیں۔

پھر 1950ء کا واقعہ ہے کہ ملک کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان نے امریکہ کا دورہ کیا تو وہاں ان سے سوال کیا گیا کہ نوزائیدہ ریاست پاکستان کا معاشی نظام کس قسم کا ہوگا؟ اس بات کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ امریکیوں کی جانب سے ایسا سوال آخر کیوں پوچھا گیا اور انہیں پاکستان کے معاشی نظام میں کیا دلچسپی تھی۔ لیاقت علی خان نے جواب دیا کہ پاکستان کا نظام اسلامی سوشلزم پر مبنی ہوگا اور اسلامی سوشلزم وہ نظامِ حیات ہے جس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ وہ اس لوچدار سیاسی زبان (Diplomacy) کی آڑ میں یہ بات بھی گول کر گئے اور امریکیوں کے دلوں میں ایک خلش بھی ابھار آئے۔

لیاقت علی خان تو وہاں سے آ گئے لیکن امریکی پیچھا چھوڑنے والے نہیں تھے، امریکی حکومت نے امریکن سیمینار کے کچھ نمائندوں کو یہاں بھیجا جنھوں نے کراچی کی ایک تقریب میں براہِ راست دریافت کیا کہ:

''ہم اسلامی سوشلزم کے متعلق بہت کچھ سنتے چلے آرہے ہیں۔ ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اسلامی سوشلزم آخر ہے کیا؟ اور سوشلزم کے عام تصور اور اسلامی سوشلزم میں آخر فرق کیا ہے؟ نیز یہ بھی بتایا جائے کہ اسلامی سوشلزم میں نجی کاروبار (Private Enterprise) کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

اس سوال کا جواب سب سے پہلے مسٹر الطاف حسین ایڈیٹر ڈان نیوز نے ان الفاظ میں دیا:

''چونکہ پاکستان میں ابھی اسلامک سوشلزم کی جزئیات مرتب ہورہی ہیں، اس لیے اس موضوع پر سرِ دست تفصیلی گفتگو ابھی نہیں کی جا سکتی۔ البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اسلامک سوشلزم اور عام سوشلزم میں فرق یہ ہے کہ اول الذکر میں انفرادی کاروبار کی اجازت ہوگی لیکن اس کا منافع غیر محدود طور پر افراد کے ہاتھوں میں نہیں جا سکے گا۔ اس منافع میں جمہور عوام کا بھی حصہ ہوگا۔ پاکستان اس امر کو یقینی بنانے کے لیے کوشش کر رہا ہے کہ وہ سوشلزم اور نجی کاروبار میں امتزاج پیدا کر سکے۔

اس کے بعد مسٹر سرور حسن صاحب نے فرمایا کہ اسلامی سوشلزم میں انفرادی کاروبار کی اجازت تو ہوگی لیکن دولت کو چند ہاتھوں میں جمع نہیں ہونے دیا جائیگا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ پاکستان اس تصور کو حالاتِ حاضرہ کے مطابق رو بہ عمل لانے کی کوشش کر رہا ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر نذیر احمد نے فرمایا کہ اسلامی سوشلزم اس نظامِ زندگی کا نام ہے جس میں ہر ایک کو یکساں مواقع میسر ہونگے۔ اس ضمن میں پاکستان نے جو اقدامات اٹھائے ہیں، ان میں وہ پنج سالہ قومی منصوبہ بھی شامل ہے جس کا مقصد عوام کا معیارِ زندگی بلند کرنا اور ملک کی اقتصادیات میں توازن پیدا کرنا ہے (اسی پنج سالہ منصوبہ کی کامیابی کے بعد جب تیسرا پنج سالہ منصوبہ تشکیل دیا گیا تو عالمی استعماری قوتوں نے 65ء میں بھارت سے پاکستان پر حملہ کروا دیا اور یوں سوچی سمجھی سکیم کے تحت منصوبہ پر عمل درآمد میں استعمال ہونے والے تمام معاشی وسائل بہ امرِ مجبوری جنگ میں جھونک دیئے گئے اور یوں پاکستان کئی برس پیچھے چلا گیا)۔

امریکی نمائندگان یہ سن کر واپس چلے گئے۔ کیونکہ انہیں اطمینان ہو گیا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ بس جس طرح ان لوگوں کا مروجہ اسلام بالکل بے خطر اور بے ضرر ہے، اسی طرح ان کی یہ نئی اصطلاح ''اسلامی سوشلزم'' بھی بس اللہ میاں کا جی ہے۔ اس سے الجھنے کی ضرورت ہی نہیں (کیونکہ یہ قرآن کا پیش کردہ نظامِ ربوبیت نہیں، جس سے انہیں خطرہ ہو)۔

پھر اس کے بعد امریکیوں نے نہ اس امر کی مزید وضاحت طلب کی نہ اس سوال کو کبھی اٹھایا۔ البتہ اسی برس یعنی اگست 1951ء میں پروفیسر ٹوئن بی نے اس سوال کو اٹھایا۔ انتظام یہ تھا کہ پروفیسر موصوف لندن سے ٹیلی فون پہ سوال پوچھیں اور پاکستان کے نمائندہ دارالحکومت کراچی سے اس کا اسی طرح ٹیلی فون پہ جواب دیں۔

پاکستان کی نمائندگی چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے حصہ میں آئی۔ پروفیسر ٹوئن بی نے سوال کیا:۔

''آج دنیا جن بڑے مسائل سے دوچار ہے، ان میں معاشی مسئلہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور معاشی مسئلہ کی اصل بنیاد کاشتکاروں کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ چونکہ خود پاکستان کے سامنے بھی ہے۔ اس لیے دریافت طلب امر یہ ہے کہ پاکستان اس مسئلہ کا حل کس طرح کرنا چاہتا ہے؟

قارئین آپ جانتے ہیں کہ ظفر اللہ خان صاحب نے اس سوال کا کیا جواب دیا؟ سنئے:

اس سوال کے جواب میں چوہدری صاحب نے فرمایا کہ:

''ہم نے ہائیڈرو الیکٹرک اسکیم بنائی ہے جس سے ہماری انڈسٹریز کو فائدہ پہنچے گا اور انڈسٹری اور زراعت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہم نے خود زراعت کی ترقی کے لیے بھی کچھ تجاویز سوچی ہیں۔ سندھ اور پنجاب میں ایسی قانونی اصلاحات کی ہیں جن سے مزارعین کو مزید رعایات حاصل ہونگی۔ مشرقی پاکستان میں دوامی بندوبست کے مسئلہ کو بھی حل کر دیا گیا ہے۔''

اب خود ہی اندازہ کر لیجیے کہ پروفیسر ٹوئن بی نے بھی میرے خیال سے اہل برطانیہ سے یہ کہہ دیا ہوگا کہ بھئی آرام کی نیند سوئیے۔ اس نئی اسلامی ریاست کے معاشی نظام سے ہمیں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوسکتا۔

یہ تھا اسلامی سوشلزم کا وہ مفہوم جو 1951ء میں امریکہ و برطانیہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ جس کا قرآن کے نظامِ ربوبیت سے دور دور کا بھی تعلق نہیں۔

انہی کڑیوں کو ملا کر سوچا جائے کہ کیا ایسی ریاست کے یہ حکمران کسی بھی طرح اسلام اور قرآن کے خیر خواہ ہوسکتے

ہیں؟ قرآن نے تو ان کے متعلق واضح طور پہ فرمادیا تھا کہ:

وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا أَنتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ (سورہ البقرہ۔آیت 145)

(اے نبی ﷺ) اگر تو ان اہل کتاب کے سامنے دنیا بھر کے علمی دلائل بھی پیش کرے، قرآنی آیات بھی دے تب بھی یہ لوگ تمہارے نظریہ کو ماننے والے نہیں ہو سکتے۔"

قرآن کے اس اعلان کے باوجود پاکستانی علماء کے وفد کے ساتھ برطانوی وزارتِ خارجہ کے افسران کا یہ کہنا کہ "برطانیہ دینی مدارس سے متنفر نہیں۔ اور نہ ہی وہ ان مدارس کو بند کرنا چاہتا ہے۔" تو یہ سب کچھ اسی لیے ہے کہ امتِ مسلمہ کے دینی مدارس میں امت کے قبلہ (قرآنی نظام) کے خلاف عالمی سامراج کے مفادات کا تحفظ کرنے والا نصاب پڑھایا جارہا ہے، وہ اس سے متنفر یا ناراض کیوں ہونگے؟

حصہ ہفتم: سلطنتِ فارس کی یزدگردی دانش گاہ اور آج کے جدید سامراج کی قائم کردہ جنگل کی حویلی کو ملانے والی کچھ کڑیاں

قارئین کرام! ہماری بربادی کی داستان بڑی طویل ہے۔ اس میں بڑے بڑے کرداروں نے حصہ لیا ہے۔ جن میں کچھ تو رب کائنات کے دربار میں پہنچ گئے ہیں اور کچھ ابھی زندہ ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں بڑے بڑے مہلک ہتھیار ہیں، مگر سب سے کارآمد اور خطرناک ہتھیار ہے وحی غیر متلو یا وحی خفی، علم الحدیث، علم تفسیر، علم فقہ، علم سنت وغیرہ۔ اس دور کے قدیم امام نما ایرانی باطنی بزرگوں نے سازش کے تحت قرآن سے توجہ ہٹانے کے لیے روایات کے محل کھڑے کیے۔ آپ اہل فقہ کی کتب پڑھ لیجیے یا اہل حدیث کی صحاح ستہ، شیعہ کی صحاح اربعہ لیجیے یا پھر دینی

مدارس کے تعلیمی نصاب کی کوئی کتاب، آپ کو جا بجا فضائلِ قرآن کے ابواب ملیں گے جن میں آپ کو یہ تو دکھائی دے گا کہ تلاوتِ قرآن کے فضائل اور ثواب کتنا ہے، مگر ان میں سے کسی بھی فرقہ کی کتاب میں ایسی کوئی تعلیم نہیں ملے گی جہاں یہ زور دیا گیا ہو کہ مسائلِ حیات قرآن سے اخذ کیے جائیں۔

یہ جو سورہ مائدہ میں اللہ فرماتا ہے کہ:

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (سورہ مائدہ۔44)

اور جو بھی ہماری نازل کردہ کتاب قرآن کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے، وہ سب لوگ کافر ہیں۔

آپ دیکھ لیجیے کہ تیسری صدی ہجری سے لے کر آج تک جتنی بھی اسلامی درسگاہیں دنیا میں قائم ہیں، مکہ، مدینہ، قاہرہ، دیوبند، اسلام آباد کی فیصل مسجد اور اسلامی یونیورسٹی، دار العلوم کورنگی کراچی، جامع بنوریہ کا مدرسہ اور اہل حدیث وفقہ اور شیعہ حضرات کے مدارس ۔۔۔ان سب کے اندر مسائلِ حیات کے حل کے لیے قرآن سے رہنمائی لینے کی بجائے علمِ حدیث سے اخذ کردہ فقہ جات پڑھائی جاتی ہیں جو کسی نہ کسی امام ہی کی جانب منسوب ہیں اور یہ سب ایرانی امام قرآن دشمن یزدگرد کے چیلے ہیں اور قرآن مخالف تحریک سے منسلک ہیں۔اسی یزدگردی دربار کے وزراء اور امراء نامی ایرانی مفکروں کی ٹیم نے قرآن کا اثر توڑنے کے لیے اقوالِ رسول کے نام سے علمِ حدیث ایجاد کیا تھا۔

جیسا کہ احباب جانتے ہیں کہ جنگِ قادسیہ میں ایران کی شکست کا انتقام لینے کے لیے میدانِ جنگ کی بجائے میدانِ علم میں قرآن اور مسلمانوں کو مات دینے کے لیے شکست خوردہ یزدگردی درباریوں نے اس کتاب کو اپنا ہدف بنایا۔قرآن کے متن کو تو وہ ذرا بھی تبدیل نہ کر سکے، البتہ تفاسیر اور قولِ رسول کے نام سے انہوں نے قرآنی مفاہیم کو تہہ و بالا کرنے کے لیے اس میں معنوی تحریف کرنی شروع کر دی اور قرآن کی تفسیر بالحدیث کے فلسفے کو خوب اچھالا گیا تا کہ مسلمان قرآن کو چھوڑ کر حدیث کی جانب جھک جائیں۔

اب انہوں نے تو جو کچھ کرنا تھا کر گئے،اور اپنے بعد آنے والی استعماریت کے لیے مسلمان کو بھٹکائے رکھنے کی راہیں ہموار کرتے ہوئے انہیں وہ بنیاد دے گئے جس پہ وہ قرآن کے آگے ہمیشہ بند باندھے رکھنے کے قابل ہوسکیں۔

یہ انتہائی پراسرار حقیقت ہے کہ 1857ء کی جنگِ آزادی میں شکست کھانے کے بعد انگریزوں نے جملہ شرکاءِ جنگ کو گرفتار کر کر کے پھانسیوں پہ چڑھایا اوران کے سر قلم کروا کر دہلی کے لال قلعہ سے جامع مسجد دہلی تک دہشت کے لیے سرِ عام کئی دنوں تک لٹکائے رکھے۔انگریز حکومت نے جو قیامت ڈھائی،خدا کی پناہ۔لاکھوں لوگ قید خانوں کی اذیتوں میں جیتے جی لاش بن گئے۔اس قیامت خیز صورتحال نے پہاڑ جیسے عظیم انسان سید احمد خان کو مسلمانوں کی خاطر تقیہ کرنے پر مجبور کردیا۔حتیٰ کہ وہ انگریز دوستی میں Sir بھی بنائے گئے اور کتاب ''اسبابِ بغاوتِ ہند'' لکھ کر جنگِ آزادی میں شامل قیدیوں کو معافیاں دلوائیں۔گویا کہ اس کتاب کے ذریعہ جنگ لڑنے والوں کے حق میں انگریز حکومت سے مقدمہ لڑا۔اور مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگایا۔

لیکن دوسری جانب کیا ہوا؟اسی جنگِ بغاوتِ ہند کے کچھ قائدین میں سے ایک نہایت اہم اور سرکردہ شخصیت مولانا قاسم نانوتوی نے انگریز حکومت سے اپنی جان بخشی کے بدلے میں سودا کیا کہ وہ اگران کے دو کام کردے تو اسے معافی مل سکتی ہے۔ایک یہ کہ اسلامی درسگاہوں میں مروجہ سیالکوٹی نصاب میں تھوڑا سا اضافہ کر کے علم الروایات کی صحاحِ ستہ نامی کتب کو پڑھانے کا انتظام کرے،اوراس کے ساتھ ہی یہ فتویٰ بھی جاری کرے کہ خاتم الانبیاء حضرت محمدﷺ کے بعد اگر کوئی بھی شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا تو اس سے ختمِ نبوت کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔

پس یہ دونوں کام قاسم نانوتوی صاحب نے سرانجام دئے۔اور اہلِ علم جانتے ہیں کہ نانوتوی صاحب کے درسِ نظامی کے نصاب میں دورہِ حدیث آج تک پڑھایا جارہا ہے اوراسی طرح نانوتوی صاحب کا وہ فتویٰ بھی ان کی کتاب تحذیر الناس میں آج تک موجود ہے کہ ''کسی کی جانب سے دعویٰ نبوت پر جناب محمدﷺ کی نبوت کو کوئی

خطرہ لاحق نہیں ہوگا''۔ ملاحظہ کیجیے مذکورہ کتاب کے ان فتاویٰ کا عکس جوانگریز سرکار کی خدمت میں تحریر کیے گئے:

تحذیر الناس
وہ بھی اس وصف نبوت میں آپ ہی کا محتاج ہوگا اور اسکا سلسلہ نبوت بہرطور آپ پر مختتم ہوگا۔ اور کیوں نہ ہو عمل کا سلسلہ علم پر ختم ہوتا ہے، جب علم ممکن للبشر ہی ختم ہولیا تو پھر سلسلہ علم و عمل کیا چلے غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جاوے جو میں نے عرض کیا تو آپکا خاتم ہونا انبیاء گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپکے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپکا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے مگر جیسے اطلاق خاتم النبیین اس بات کو مقتضی ہے کہ اس لفظ میں کچھ تاویل نہ کیجئے اور علی العموم تمام انبیاء کا خاتم کہیے، اسی طرح اطلاق لفظ مثلہن جیسا آیۃ اللہ الذی خلق سبع سماوات ومن الارض مثلہن

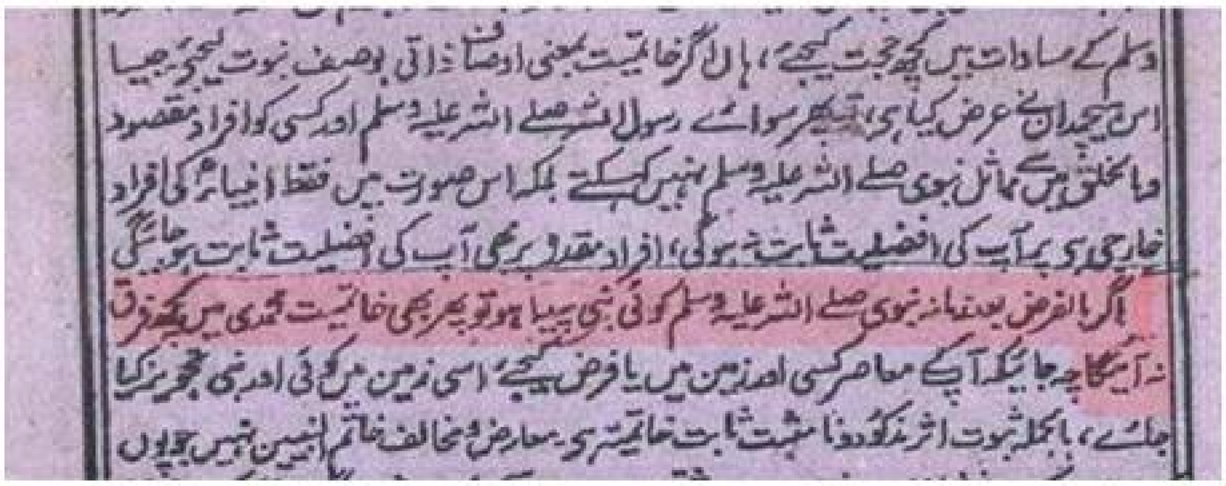
وسلم کے مساوات میں کچھ حجت کیجئے، ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے جیسا اس ہیچمدان نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی صلے اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کی افراد خارجی ہی پر آپ کی افضلیت ثابت نہ ہوگی، افراد مقدرہ پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہو جائے گی بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئیگا چہ جائیکہ آپکے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے، بالجملہ ثبوت اثر مذکور دونا مثبت ثابت خاتمیت ہے معارض و مخالف خاتم النبیین نہیں جو یوں

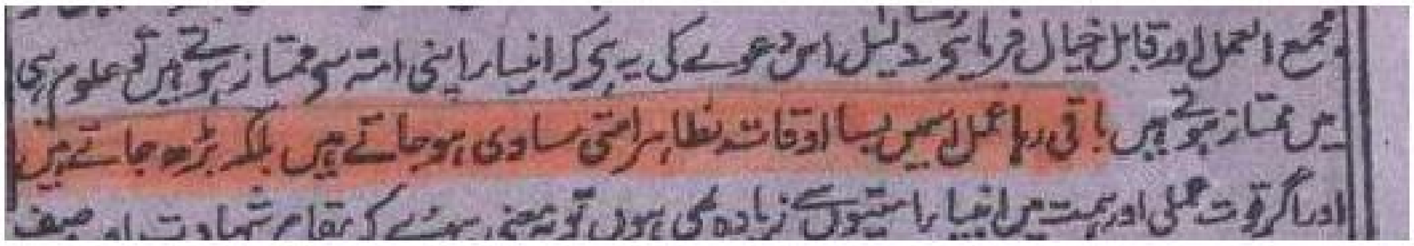
مجمع العمل و قابل خیال فرمائیے دلیل اس دعوے کی یہ ہے کہ انبیاء اپنی امت سے ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں اور اگر قوت عملی اور ہمت میں انبیاء امتیوں سے زیادہ بھی ہوں تو یہ معنی

Book: Tahzeerunnaas by Qasim Nanotwi

قاسم نانوتوی صاحب نے پھانسی کی رسی کی جگہ دیوبند میں کسی درخت کے نیچے دارالعلوم مدرسہ کی بنیا درکھی تو پھانسی کی رسی سے بچ نکلے جسے مولانا مناظر احسن گیلانی نے سوانح قاسمی میں ''لڑنے کے لیے مورچہ کی تبدیلی'' سے تشبیح دی ہے۔ یہ حسنِ ظن گیلانی صاحب کومبارک، لیکن یہ سوال جان نہیں چھوڑتا کہ جنگِ آزادی کے سپاہیوں تک کوتو تختہ دار پہ لٹکایا گیا، عام رضا کاروں تک کو بھی نہ چھوڑا گیا۔ کالا پانی، عبور دریا شور اور جزائر انڈیمان میں قید کی سزائیں دی گئیں جہاں ان کی اکثریت چکیاں پیستے پیستے مر گئی۔ لیکن جوان افواج کا کمانڈر اور بانیِ بغاوت تھا، اسے یہ موقع دے دیا جائے کہ وہ مزے سے جا کر مدرسہ کھول کر بیٹھ جائے اور اس کے مدرسہ کوانگریز افسران با قاعدہ وزٹ کرنے بھی آتے رہیں۔

اسی طرح جب شاہ اسماعیل شہید نے برصغیر سے انگریز کو بھگانے کی تحریک چلائی تو اس میں انگریزوں نے اپنی برطانوی انٹیلی جنس کے افراد کو لمبی داڑھیوں اور اونچی شلواروں والا حلیہ دے کر سید احمد شہید کے ہاتھ پر ''بیعتِ جہاد'' کروا کر جہاد پہ بھیج دیا۔ جن کی سکیم سے یہ دونوں بزرگ انگریز سے جہاد کرنے کی بجائے اپنے ہی ہم وطنوں سے لڑتے ہوئے شہید کروائے گئے۔ اور پھر انہی لمبی داڑھیوں والے اور پنڈلیوں پہ پائنچے رکھنے والے انگریز جاسوسوں نے یہ بھی مشہور کرا دیا کہ شاہ اسماعیل زندہ ہیں لیکن پردۂ غیب میں چلے گئے ہیں اور عنقریب دوبارہ ظہور فرما کر مسلمانوں کی اس جنگ میں قیادت کے لیے دوبارہ قیادت فرمائیں گے۔

پھر تاریخ گواہ ہے کہ شاہ اسماعیل کی سپاہ میں لندن کی خفیہ اسلامی درسگاہ سے لا کر بھرتی کیے گئے برطانوی انٹیلی جنس کے انہی لمبی داڑھیوں اور اونچی شلواروں والے تربیت یافتہ جاسوسوں نے مسلکِ اہل حدیث کے قیام کا سنگِ بنیاد رکھا۔

جیسا کہ شاہ اسماعیل اور سید احمد کو شہید کرنے کا انگریزی پلان پہلے سے تیار تھا، اچھا ہوا کہ یہ دونوں حضرات جنگ پر جاتے ہوئے اپنے گھر کی عورتیں اور بچے سندھ میں پیر پگاڑہِ اول (سید صبغت اللہ شاہ) کے بیٹے گوہر شاہ کی حفاظت میں امانتاً دے کر گئے کہ ہم جہاد سے واپسی پر اپنے اہل خانہ واپس لے جائیں گے۔ ورنہ یہ بال بچے اور عورتیں بھی ان کے لشکر میں انگریزوں کے بھرتی شدہ ''جانثاروں'' کہ مہربانی سے ''پردۂ غیب'' میں چلے جاتے۔

اور اِدھر قاسم نانوتوی صاحب نے جو نیا ''مورچہ'' سنبھالا تو اس کے نصاب میں انگریز کی ہدایت پر قرآن مخالف صحاح ستہ کی تعلیم کو دینی تعلیم بنا دیا اور پھر نانوتوی صاحب کی وفات کے ساتھ ہی مدرسہ میں گروپ بندی شروع ہوگئی۔ نانوتوی صاحب کا بیٹا محمد احمد اور پوتا قاری طیب انگریز کے وفادار بن گئے جن کا ساتھ شبیر احمد عثمانی اور اشرف تھانوی وغیرہ نے دیا۔

غور کیجیے کہ یہ اتنی بڑی ترمیم اتنی بڑی جنگ کے بانی و مجرمِ اعلیٰ کے ذریعہ انگریز دشمن کے ہاتھوں کیسے اور کیونکر

ہوئی۔ کیونکہ یہ صحاح ستہ کا نصاب تو صرف برطانیہ کے اسی خفیہ اسلامی مدرسہ (جنگل کی حویلی) میں پڑھایا جاتا تھا جہاں انگریز کے جاسوسی محکمہ کے وہ افسران تیار کیے جاتے تھے جنہیں نومسلم بنا کر اسلامی دنیا کے مختلف مما لک اور شہروں میں قاضی، مفتی، شیخ الاسلام، شیخ الحدیث اور پیش امام کے روپ میں بھیجا جاتا ہے تا کہ وہاں جا کر استعماری پیکج والا حدیثی اسلام نافذ کرسکیں۔ (ہمفر، لارنس آف عریبیا، مسٹر ولسن آف کویت اور پاکستانی علاقے چترال میں پکڑا جانیوالا عیسائی امام مسجد اس کی چند مثالیں ہیں)۔

پاکستان کے مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب بھی اسی انگریز نواز گروہ کے حامی تھے، اس کے برعکس شیخ الہند محمود الحسن، عبید اللہ سندھی، مفتی کفایت اللہ، حسین احمد مدنی اور دیگر کئی علماء انگریز کی مخالفت میں نانوتوی صاحب کی اولاد کے بھی دشمن ہو گئے۔ نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ مدرسہ دارالعلوم دیو بند کا کنٹرول نانوتوی صاحب کی اولاد سے چھین کر انگریز دشمن دھڑے شیخ الہند کے جانشین حسین احمد مدنی کے بیٹوں کے حوالے ہو گیا۔

مسلمان تو یہ بالکل بھی نہیں سمجھتے کہ قرآن کیا کہتا ہے، یہ بیچارے قرآن کے زبردست فلاحی پروگرام سے بے خبر ہیں۔ یہ بس کبھی کبھار اپنا مصحف شریف اپنی دلہن کے منہ کی طرح کپڑا اٹھا کر بغیر سمجھے پڑھ لیتے ہیں یا پھر اپنی بہن بیٹیوں کو رخصت کرتے وقت سر پہ سایہ کے طور پہ لیے چلتے ہیں۔ یا پھر اس کی ضرورت تب پڑتی ہے جب پنچائیت میں قسم اٹھانی ہو یا تعویز وغیرہ بنانا ہو اور کسی مردے کو "بخشوانا" ہو۔

البتہ "قال الملاء" کی باقیات عالمی مترفین کا استعمار آج بھی یہ یقین رکھتا ہے کہ قرآن کا فلسفہ معیشت اور عمرانیات دھاڑتے ہوئے ایک شیر کی مانند ہے جسے اگر ایک بار بھی کھلا چھوڑ دیا گیا تو یہ انکی W.T.O، گروپ ایٹ، ملٹی نیشنل کارپوریشنز، ورلڈ بنک، آئی ایم ایف وغیرہ کی اجارہ داری کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا، نیو ورلڈ آرڈر کو تہس نہس کر کے رکھ دے گا۔ مسلمان قوم کو حدیثوں کے جال میں پھنسائے رکھنا بہت ضروری ہے جس کے لیے انہوں نے درس نظامی والے مدارس اور اس کے شیوخ الحدیث علماء کی دنیا بھر میں ڈیوٹی لگا رکھی ہے۔ قرآنی گاڑی

کو روکنے کے لیے دنیا میں جگہ جگہ دار العلوموں اور جامعۃ الازہروں کی شکل میں پولیس چوکیاں قائم کی گئی ہیں جہاں مفتی، مولاناؤں، شیخ الاسلاموں، حجۃ الاسلاموں اور شیخ الحدیثوں کی شکل میں قرآنی فکر پہ تھانیدار پہرہ پہ کھڑے ہیں۔

جیسا کہ پیچھے بتایا گیا کہ کیسے ہمفر جیسے برطانوی سی آئی ڈی افسران نے اپنی ڈائری میں لکھا کہ برطانوی حکومت نے اپنی انٹیلی جنس کو ہدف دیا ہوا ہے کہ دنیا سے اگلے سو دو سو برس میں اسلام کو ختم کرنا ہے۔ اور دوسری جانب یہی برٹش حکومت اپنی یونیورسٹیوں میں تفسیر قرآن اور علم حدیث پر پی ایچ ڈی کی ڈگریاں بھی جاری کر رہی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ڈاکٹریٹ کرنے والوں کو سکالرشپ بھی دیتی ہے تو یہ سمجھنا کونسا مشکل ہوگا کہ ان یونیورسٹیوں کے علومِ حدیث اور تفسیر، تصوف وفقہ وغیرہ ان کے سیاسی اہداف کو حاصل کرنے میں انکی مدد کریں گے یا ناکام بنانے والے ہونگے۔ کسی بھی دینی مدرسہ میں قرآن کی تفسیر بالقرآن پڑھانے کا رواج موجود نہیں۔

آکسفورڈ یونیورسٹی قائم ہوئے ایک ہزار برس سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے، اس نے کبھی بھی اپنے کسی پی ایچ ڈی کرنے والے سے تاریخ کے تضادات کے موضوع پر Research Thesis نہیں لکھوایا۔ جامع الازہر یونیورسٹی آکسفورڈ سے بھی پرانی ہے۔ اس کے لیے کیا کہیں؟ وہ تو ہے ہی قرآن دشمنوں کی درسگاہ۔ دنیا سے قرآنی علم کو ختم کرنے کے لیے قائم ہوئی ہے۔ جامع ام القریٰ مکہ کی یونیورسٹی، مدینہ یونیورسٹی، ایران کے شہر قم کی علمی درسگاہ، کورنگی کا دار العلوم، جامع بنوریہ، دار العلوم دیوبند کا مدرسہ، غرض ان سب کے اندر قرآن دشمن امامیہ علوم پر مشتمل درسی نصاب ہی پڑھایا جا رہا ہے۔ ان سب اداروں میں قرآن فہمی کو امامی علوم کے تابع رکھا جاتا ہے اور یہ سب متحد ہو کر اللہ کی آواز کو یہ کہہ کر ٹھکرا رہے ہیں کہ ''قرآن حدیث کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا''۔

بوہیو صاحب لکھتے ہیں کہ 1983ء میں جب وہ حج پر گئے تو وہاں انہیں بتایا گیا کہ مدینہ یونیورسٹی اور مکہ کی یونیورسٹی جامع ام القریٰ کے وائس چانسلرز دونوں نے لندن سے حدیث اور تفسیر میں پی ایچ ڈی کر رکھی ہے۔

قارئین اس بات کی آپ کو اب سمجھ آ چکی ہو گی کہ کیسے فارس کی قدیم سازشی ''حویلی'' اور جدید سامراج کی قائم کردہ لندن کی حویلی کی کڑیاں کیسے آپس میں ملتی دکھائی دیتی ہیں۔ صرف یہی نہیں، جیسے ایران کے شکست خوردہ گورنر ہرمزان نے حضرت عمرؓ فاروق کے دربار میں اعتراف کیا تھا کہ ہماری شکست کی وجہ آپ کے اللہ کا آپ کے ساتھ ہونا ہے (یعنی قرآن پر عمل)۔ اور پھر انہوں نے کیسے کیسے مسلمانوں سے ان کا قرآن چھینا۔ بالکل اسی طرح برطانیہ کی ملکہ وکٹوریہ نے بھی ایک بار اپنے وزیر لارڈ میلبورن سے پوچھا تھا کہ یہ اسلام کی اتنی عظیم الشان کامیابیوں کی آخر وجہ کیا ہے؟ تو لارڈ میلبورن نے جواب دیا تھا کہ ان کی کتاب قرآن پر عمل کرنے میں ہی ان کی کامیابیوں کا راز ہے اور قرآن سرمایہ داری نظام کا دشمن ہے۔ اور پھر اس مکالمہ کے بعد بھی جو کچھ ہوا، اور جیسے سلطنتِ برطانیہ نے دنیا سے قرآن کو پوشیدہ رکھنے کے لیے جو اقدامات کیے، وہ بھی کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ وہی بات کہیں گے کہ کل کے سامراج کی جانب سے ہماری علمی میراث میں بوئے گئے ملاوٹ کے بیجوں کی فصل آج کا سامراج کاٹ رہا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ کیسے غلام ہندوستان کے زمانہ میں انگریز نے قدیم ایران کی یزدگردی دانش گاہ اور اپنے لندن کی خفیہ حویلی کا مشترکہ نصابِ تعلیم ہم پہ مسلط کرایا۔ کیسے حضرت عمر فاروقؓ اور ہرمزان کے درمیان ہونے والے مکالمہ کے بارہ تیرہ سو برس بعد لندن میں تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا اور ملکہ وکٹوریہ اور لارڈ میلبورن کے درمیان اسی قسم کی گفتگو ہوئی اور کیسے کیسے مذہبی پیشوائیت ان یہودی عالمی مترفین کی مسلسل دستِ راست بنتی رہی۔

ادھر جنگِ عظیم دوم ختم ہونے کے بعد جب سوویت یونین دنیا کی دوسری سپر پاور کے طور پر ابھر کر سامنے آئی اور عالمی استعمار کو کمیونزم اور اشتراکیت سے خطرہ محسوس ہوا تو انہیں مارکس اور لینن کے انقلاب کو شکست دینے کی اس کے سوا اور کوئی صورت دکھائی نہ دی کہ برطانیہ اپنی تمام نوآبادیوں کو ایک ایک کر کے آزادی دے اور وہاں اپنے استعماری پٹھو حکمران اور مذہبی پیشواؤں کی حکومت قائم کرے۔

ادھر ہندوستان میں چونکہ قائدِ اعظم اور علامہ اقبالؒ کی زیرِ قیادت اسلامی نظریاتی بنیاد پر ریاست قائم کرنے کی تحریک شروع ہو چکی تھی جس میں ان دونوں ہستیوں کے قرآنی ایڈوائزر مفکرِ قرآن علامہ پرویزؔ جیسی ہستی تھی تو انگریزوں نے یہی فیصلہ کیا کہ برِ صغیر میں چونکہ لوہا گرم ہے، اس لیے یہاں چوٹ لگائی جائے۔ پس ہندوستان کا مذہب کے نام پر بٹوارہ کر کے مسلمانوں کو کمیونزم کے خاتمہ کے لیے استعمال کیا جائے۔ پس برطانیہ واپس جاتے ہوئے انگریز یہاں اسلامی ریاست قائم کر کے دے گئے لیکن منصوبہ یہی تھا کہ اسلامی نظریہ کے نام پر ریاست مسلمانوں کو دے تو دی ہے لیکن یہاں اسلامی نظام کسی صورت قائم نہیں ہونا چاہیے ورنہ سوویت یونین کی بجائے الٹا یہی ریاست ایک بڑی مصیبت بن جائیگی۔ پس یہاں اسلامی تعلیمات کے اوپر نگرانی کے لیے اپنے پرانے آلہ کار اسلامی مذہبی پیشوائیت کو لا بٹھایا گیا۔ یہ سب کیسے ہوا، یہ بھی سن لیجیے:

جیسا کہ مضمون میں بتا چکا ہوں کہ مودودی صاحب کراچی کے ایک جلسہ میں پہلے ہی نوزائیدہ سرمایہ دارانہ سپر پاور امریکہ کو اپنی دستیابی کا اشارہ دے چکے تھے اور پاکستان میں اسلامی نظام کا راستہ روکنے کے لیے تیار تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں انگریزوں نے "اسلام اور مسلمان دوستی" کے مقصد سے ایک ادارہ قائم کر رکھا تھا (جس کا اصل انگریزی نام مجھے اس وقت یاد نہیں)، اس ادارے کا دفتر تقسیمِ پاکستان کے وقت جنیوا میں تھا اور اس کا ڈائریکٹر سیٹھ ابراہیم باوانی تھا۔ کچھ عرصہ بعد صدر ضیاالحق کی مجلسِ شوریٰ کے ایک ممبر ظفر احمد انصاری لنگڑے کو بھی اس کی ڈائریکٹر شپ دی گئی۔

حصہ ہشتم: ہندوستان میں نانوتوی۔۔۔ پاکستان میں مفتی شفیع

جب اسلام کے نام پر پاکستان قائم ہو گیا تو عالمی استعمار کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اب یہاں قرآنی نظام کا راستہ روکے رکھنے کے لیے اپنی وہی پرانی قرآن دشمن سیسہ کاریوں کو جاری رکھیں جو وہ دارالعلوم دیوبند

کے سلسلہ میں پہلے سے ہی جاری رکھے ہوئے تھے ،اور خود دیو بند ہی سے ایسی شخصیت کو لاکر اسی طرز کا ایک دار العلوم پاکستان میں بھی قائم کیا جائے اور وہ شخصیت بھی قاسم نانوتوی صاحب سے کیے ہوئے معاہدہ سے وابستہ دھڑے سے منسلک ہو۔

ہندوستان سے آئے ہوئے مسلم لیگی سیاست کے حاجی علماء بالخصوص دیو بند اور مولانا اشرف تھانوی سے وابستہ علما پاکستان آئے۔ان کے سرخیل اور بانیانِ پاکستان کے دستِ راست سمجھے جانے والے مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب بھی پاکستان تشریف لائے۔اسی طرح ادارہ علی گڑھ کی نامور شخصیت مولانا حسرت موہانی بھی تشریف لائے لیکن لیاقت علی خان نے کسی کو گھاس تک نہ ڈالی۔

ان کی جگہ جو دوسری صف کے علماء پاکستان آئے تو جنیوا کے مذکورہ بالا ادارے کے ڈائریکٹر سیٹھ باوانی نے کورنگی ایریا کے نزدیک مفتی محمد شفیع صاحب کو اپنا کچھ بنگلہ ،کوارٹرز اور چھ سات ایکڑ زمین کا رقبہ اپنی ''عاقبت سنوارنے'' کے لیے فی سبیل اللہ دے دیا کہ آپ اس میں دار العلوم قائم کریں۔وہ اراضی صدر ایوب کے دورِ اقتدار میں سات سے بڑھ کر اندازاً ساٹھ ایکڑ تک پھیل گئی۔

اب اس ادارہ کے بانی مفتی محمد شفیع مرحوم کے صاحبزادہ جسٹس تقی عثمانی صاحب ہیں جو اس وقت ادارہ کے پالیسی ساز بھی ہیں اور ترجمان بھی۔اور اسلامی سکالر اور اسلامی بینکوں کے شرعی ایڈوائزر بھی ہیں۔''اسلامی بینکاری'' کے نام سے حرام کو حلال بنا بنا کر سادہ لوح پاکستانیوں کو بیوقوف بناتے ہوئے بینکوں کا اور اپنا کاروبار خوب چمکا رکھا ہے۔

انھی مفتی شفیع مرحوم کے فرزند مفتی ولی رازی کا بھی ایک عدد مکتبہ ہے۔یہ جسٹس تقی عثمانی کے بڑے بھائی ہیں۔انہیں پرویز مشرف کی حکومت کے اوائل میں حکومتِ سندھ میں وزیر بھی بنایا گیا تھا۔سوچنے کی بات ہے کہ یہ سیاسی عہدے غیر سیاسی آدمیوں کو آخر کس بناء اور کس صلے میں دیے جاتے ہیں اور یہ کام کس کے حکم پر کیا جاتا ہے؟

اس مذہبی خانوادے پر حکومت کی خاص نظر کرم کسی نادیدہ قوت کا کمال لگتا ہے جو قرآن کو دنیا میں حاکم نہیں ہونے دینا چاہتی اور پاکستان کو اپنے جبر سے چلانا چاہتی ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کو بنایا ہی انہوں نے ہے۔

وہ نادیدہ قوت اس قدر طاقتور ہے کہ ایک بار صدر ضیاء الحق کراچی میں ورلڈ ہیلتھ کانفرنس کی افتتاحی تقریر میں بے دھیانی سے یہ کہہ گئے کہ ورلڈ ہیلتھ کے سلسلہ کا جو فنڈ پاکستان کو اقوامِ متحدہ نے دیا تھا، وہ اسرائیل لے اڑا ہے۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بوہیو صاحب لکھتے ہیں کہ میں اس وقت اپنے رسالے کا مواد سنسر آفیسر کے پاس سنسر کروانے بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں ٹیلی پرنٹر موجود تھا جس پہ بار بار یہ تاکید آ رہی تھی کہ خبردار صدر کی تقریر کا اسرائیل والا حصہ کسی اخبار میں نہ چھپنے پائے۔

جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا کہ قاسم نانوتوی صاحب کے پوتے قاری محمد طیب جو اس وقت مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے، نے قیامِ پاکستان کی بھرپور حمایت کی تھی۔ اور نوے کے عشرے میں جب عالمی سامراجی جنگ کے ذریعہ امریکہ نے پاکستان کے ہاتھوں کمیونزم کے کعبہ لینن گراڈ کو مسمار کروا دیا تو دنیا کا واحد چیمپئن بنتے ہوئے اس نے پاکستان کو آرڈر دیا کہ کوئی دوقومی نظریہ نہیں۔ اب تم دہلی کو سلیوٹ کرو اور اپنے تعلیمی نصاب سے قرآن کی جہاد والی آیات کو نکال باہر کرو۔ باقی معاہدۂ سارک پر عمل درآمد کے بعد دیکھا جائیگا کہ سرحدوں کا کیا کیا جائے کیونکہ ڈبلیو ٹی او تنظیم اور سارک کے منشور میں ساری دنیا کو ون یونٹ بنانے کا پروگرام ہے۔ اب تنخواہیں لینے والے گن مین (پاکستانی فوج) ملک کو نہیں بچا سکتے۔ مستقبل میں پاکستان کو بچانے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ عوام خود میدان میں اتریں۔

یعنی 1940ء کی قراردادِ پاکستان سے بھی کچھ زیادہ قومی خودمختاری بلکہ قومی آزادی ہی سے پاکستان بچ پائے گا۔ لیکن اس ملک کے حکمران طبقات کے اذہان میں جدی پشتی غلامی رچی بسی ہے۔ انہوں نے گزشتہ پینسٹھ برس بھی برائے نام آزادی کے ہی گزارے ہیں۔

1997ء میں ملکہ برطانیہ الزبتھ پاکستان آئی تھی تو یہ اپنے شجرہ نسب کی ہی وضاحت میں لگے رہے کہ ہم تو آپ کے غلاموں کی اولاد ہیں اور اب بھی آپ کے وفادار ہیں۔ ایسے لوگ بھلا عالمی استعمار کو کیسے آنکھیں دکھا سکتے ہیں جنہیں پیدا ہوتے ہی حدیث وفقہ کی نفس کشی پر مبنی تعلیم گھٹی کے طور پر دے دی جاتی ہو۔ اسی لیے انہیں عالمی مترفین اور استحصالیوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ قرآن تو کہتا ہے کہ وہی کامیاب ہونگے جنھوں نے اپنے نفس کو پالا پوسا، جنھوں نے دبائے رکھا، وہ ناکام ونامراد رہینگے (سورہ الشّمس) جنھوں نے اپنے نفس کو مارنے اور قتل کرنے کی بجائے حیات بخش سرفرازیوں سے نوازا ہوگا۔

لیکن کیا کیا جائے۔ اس ریاست کے قیام کی کہانی میں بانیِ پاکستان قائدِاعظم کے قرآنی مشیر علامہ پرویزؔ نے اپنی کتاب ''تحریکِ پاکستان اور پرویز'' جس کا نام بعد میں تبدیل کرکے ''تحریکِ پاکستان کے گم گشتہ حقائق'' رکھ دیا گیا، میں لکھا ہے کہ جب تقسیمِ ہند کا بل منظوری کے لیے برطانوی پارلیمان میں پیش ہوا تو برطانوی وزیرِاعظم لارڈ اٹیلی جو اس وقت میجر اٹیلی تھے، اپنی تقریر میں کہہ رہے تھے کہ ہندوستان تقسیم ہو رہا ہے، لیکن مجھے امید واثق ہے کہ یہ تقسیم زیادہ دیر قائم نہیں رہ سکے گی۔ یہ دونوں ریاستیں جنہیں ہم الگ کر رہے ہیں، ایک دن پھر آپس میں مل کر رہیں گی۔

قارئین! یہ حوالہ مفکرِ قرآن علامہ پرویزؔ کی کتاب سے ہے لیکن بوہیو صاحب فرماتے ہیں کہ انہوں نے اسی تقریر کا ایک اور حوالہ اٹیلی صاحب کی زبانی اپنے دارالعوام سے سنا ہے کہ وہ مطالبہ کر رہے تھے کہ آپ یہ علیحدگی تھوڑے عرصہ کے لیے منظور کرلیں۔ پھر ہم جلد ان دونوں ممالک کو آپس میں ملادیں گے۔

اسی لیے میں کہتا ہوں کہ اس ملک کو اگر کوئی بچا سکتا ہے تو صرف اس کے عوام۔ نہ پاکستانی فوج پر کسی قسم کا بھروسہ کیا جاسکتا ہے نہ حکمران طبقات پر، جو خود استعماری پٹھو اور ذہنی غلام ہیں۔ پاکستانیوں کو گہرائی سے سمجھنا ہوگا کہ:

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

تو سوال یہ ہے کہ یہ ریاست قرآنی نظام آخر کیسے قائم کر سکے گی جس کی مہار اور لگام ہی کسی اور کے ہاتھ میں ہو۔ یہ ملک آزاد ہرگز نہیں ہے، باشعور عوام یہ جانتے ہیں کہ پاکستان کو عالمی سامراجی مفادات کا گن مین مقرر کر دیا گیا ہے جس کا ثبوت صدر مشرف کی کتاب ''ان دی لائن آف فائر'' میں بھی ہے کہ امریکی افسر رچرڈ آرمیٹج نے کہا تھا کہ تم پاکستانیوں نے اگر افغان جنگ میں ہمارا ساتھ نہ دیا تو تمہارا حشر ایسا کیا جائیگا کہ واپس پتھروں کے دور میں پہنچ جاؤ گے۔

یہی احوال سعودی عرب کے ''مشرف با اسلام'' ہونے کا ہے۔ ان کا اسلام بھی برطانوی پیکیج والا ہے جس کے لیے ہمفر جاسوس کی ڈائری بطور ثبوت مارکیٹ میں موجود ہے۔

اشرف علی تھانوی کا بھائی مظہر علی انگریز حکومت میں جاسوسی کی ملازمت پہ تعینات تھا۔ شیخ الہند جب حج کے لیے مکہ گئے تو اشرف علی تھانوی نے اپنے بھائی کو یہ راز بتایا کہ شیخ الہند حج کے بہانے مکہ گئے ہیں۔ وہاں خلافِ عثمانیہ کے جرنیلوں مصطفیٰ جمال پاشا اور مصطفیٰ کمال پاشا کو مل کر ہندوستان کی انگریز حکومت پر حملہ کے لیے تیار کریں گے۔ اس رپورٹ سے اشرف علی تھانوی کا بھائی انسپکٹر سے ڈی ایس پی کے عہدے پر ترقی پا تو گیا لیکن حکومتِ برطانیہ کو جنگ کا خطرہ لاحق ہو گیا اور اس نے مکہ کے عرب گورنر

شریف کو حکم دیا کہ تم ترکوں سے الگ ہو کر عربوں کی جداگانہ قومی حکومت کا اعلان کر دو تو ہم تمہیں پورے عربستان کا بادشاہ بنا دیں گے۔ اس پر شریفِ مکہ نے ترکوں سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔

اس اعلان کے فوراً بعد برطانیہ کی یونین جیک حکومت نے پہلا کام اس سے یہ کروایا کہ مکہ کے حرم میں پناہ گزین انگریزوں کے باغی شیخ الہند محمود الحسن کو گرفتار کروا کر مصر کے راستے مالٹا میں قید کے لیے بھجوا دیا۔

عیسائیوں کے کیتھولک فرقے کا سربراہ پوپ جان پال 2001ء میں جب بھارت کے دورہ پر آیا تو غالباً ہما چل

پردیش میں تقریر کرتے ہوئے اپنے اہداف یوں بیان کیے:

''عیسائیت نے پہلے ہزار سال Millenium میں یورپ کو اپنی لپیٹ میں لیا۔اور دوسرے ہزاریے میں اس نے برِاعظم افریقہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔اب تیسرے ہزاریے میں براعظم ایشیا پر عیسائیت چھا جائیگی۔''

کافی عرصہ قبل جب افریقہ میں اسلامی تعلیمات کے مبلغ اعظم جناب احمد دیدات صاحب پاکستان کے دورہ پر آئے تو انھوں نے روزنامہ جنگ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان کے صوبہ پنجاب میں عیسائی تبلیغی مشنریوں کے جو اعدادوشمار مسلمانوں کے عیسائیت میں داخل ہونے کے ملتے ہیں، وہ خطرناک حد تک پریشان کن ہیں۔بوہیو صاحب لکھتے ہیں کہ میرے ساتھ سید غلام مصطفٰی شاہ مرحوم سابق مرکزی وزیر تعلیم نے رائیونڈ کی تبلیغی جماعت کی اعلٰی قیادت اور رائیونڈ میں عیسائیوں کے گرجا کی تبلیغی سرگرمیوں میں ہر دو کے مخصوص ہمدردانہ رشتوں پر بھی روشنی ڈالی اور سائیں جی ایم سید کے حوالے سے یہ بھی بتایا کہ رائیونڈی چھاپ اسلامی تبلیغ کی مالی امداد اور سرپرستی عالمی عیسائی طاقتوں اور یہودی سرمایہ داروں کے ہاتھوں کس طرح ہوتی ہے۔

عالمی استعمار نے عزم کر رکھا ہے کہ امتِ مسلمہ کو ہر قیمت پر قرآن سے دور رکھنا ضروری ہے۔تاکہ وہ سمجھ نہ پائیں کہ یہ کتاب کیا نظامِ حیات پیش کرتی ہے اور اس پہ عمل کرنے سے سرمایہ داریت اور مذہبی پیشوائیت کا دھڑن تختہ کیسے ہوتا ہے اور یہ کہ ان کے رب نے کیسے انہیں عالمی حکمرانی کے لیے ''کنتم خیر امۃ'' کہہ کر منتخب کیا تھا۔یہ حق صرف ہمارا ہے، مسلمانوں کو یہ حق کبھی بھی نہیں لینے دیا جائیگا۔

اور یہ کتاب لکھنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ مسلمانو! خدارا خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاؤ۔

چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

لکھنے کو بہت کچھ ہے، لیکن کہاں تک لکھیں؟ آخر تو یہ کہہ کر داستان ختم کرنا ہی پڑتی ہے کہ:

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اک دن

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

القرآنک پاور

کتابیات

حجت صرف قرآن ہے۔عزیز اللہ بوہیو

فتنہ انکارِ قرآن (حصہ اول و دوم)۔عزیز اللہ بوہیو

نظامِ ربوبیت۔مفکر قرآن علامہ پرویزؒ

"اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت"۔(ماہنامہ طلوع اسلام (نومبر 1963ء)

یہ امت روایات میں کھو گئی۔پروفیسر علی حسن مظفر

روایات اصل دین نہیں۔پروفیسر علی حسن مظفر